شکل 2: بعض پاکستانی ہائی ٹیک مصنوعات

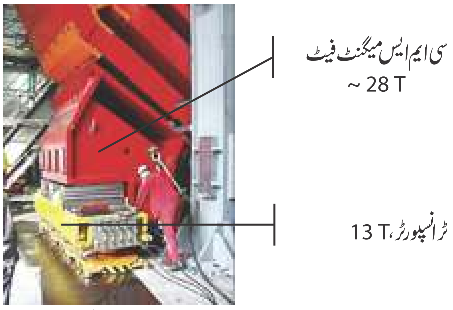

ایچ ایم سی-3 فیبریکیشنز
سی ایم ایس کے لئے

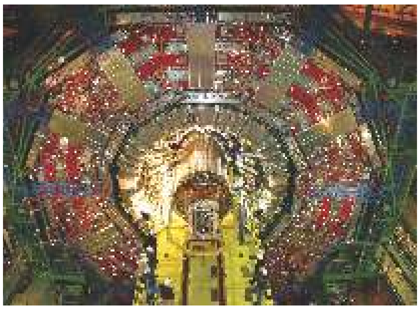

ڈیٹیکٹر پوزیشن مانیٹرنگ سسٹم: 40 لیزر سسٹمز
سی ای آر این، جینوا کے سی ایم ایس میں نصب کئے جارہے ہیں

لیزر لینڈ لیولر

پاکستان میں ڈیزائن کی گئی پہلی ای سی جی مشین (HW+SW) -CASE

سطحیں ہوتی ہیں اور اسے ایک مکمل نظام کے طور پر دیکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کا انحصار اس ادارے کے پروفائل پر ہوتا ہے کہ آیا یہ پہلے سے موجود کوئی بڑا کاروباری ادارہ ہے، تنہا حیثیت میں کام کرنے والا ادارہ ہے یا کسی کلسٹر کا حصہ ہے، کوئی چھوٹے یا درمیانے سائز کا ادارہ یا ایس ایم ای ہے یا نیا سٹارٹ اپ (Start-up) ہے۔ ٹیکنالوجی کے شعبے کی نئی فرمیں جدید معیشتوں کا ایک اہم جزو ہیں جن کی سرگرمیاں لچکدار ہوتی ہیں اور ان میں حالات کے تقاضوں پر جوابی اقدام کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ تاہم ان سب کو 'بدلتی ٹیکنالوجی' اور معاونت کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور وہ مقابلے کو محض ایک خطرے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ یہ ان کے لئے سیکھنے کا ایک ذریعہ بھی ہوتا ہے جس کی کئی مثالیں مشرقی ایشیائی ممالک میں ملتی ہیں۔

ایس ایم ایز میں ٹیکنالوجی مینجمنٹ کی سرگرمیوں کا تجزیہ اور مطالعہ اگرچہ ٹکڑوں میں بٹا ہوا اور غیر رسمی سا ہے لیکن اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ تربیت، مہارتوں کی ترویج اور خود کو ٹیکنالوجی کے مطابق ڈھالتے ہوئے تبدیلی کو آگے بڑھانے میں ریاست کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس سے ایس ایم ایز کی داخلی اور خارجی کارکردگی بہتر ہوتی ہے، بہتر ہارڈویئر اور طریقوں کو اپنانے اور خود کو ان کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ انٹرپرینیور بننے کے عمل میں خارجی ماحول ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں داخل ہوتا ہے پہلے آپ کے پاس کوئی 'وینچر' (Venture) نہیں ہوتا اور پھر آپ کے پاس ایک 'وینچر' ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے صنعت میں مقابلے پر مبنی ڈھانچے کا بنیادی تسلسل ٹوٹ جاتا ہے جس کے نتیجے میں بعض اوقات ایک بالکل نئی صنعت وجود میں آجاتی ہے۔ اس کے لئے لائحہ عمل یہی ہے کہ ٹیوٹا (TEVTA)/ نیوٹیک (NAVTTC) کی از سرنو تشکیل کی جائے اور اس کی مینجمنٹ میں بیوروکریٹس کے بجائے ٹیکنالوجی ماہرین کو لایا جائے۔

حکومت کو اس معاملے میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس بات پر اصرار کرنا چاہئے کہ بجلی اور برقی شعبوں میں صنعتی اشیاء کی کارخانہ سازی مقامی سطح پر کی جائے۔ ہر ملک ایسا ہی کرتا ہے۔ دیگر کے علاوہ توانائی، الیکٹرانکس، بائیوٹیکنالوجی، آئی سی ٹی اور آٹومیشن اس صدی میں افزائش کے بڑے محرکین ہوں گے۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں مستقل پیش آگاہی کے ساتھ ساتھ مہارتوں کی ترویج اور موزوں ٹیرف مفید رہیں گے۔

انٹرپرینیورشپ اور جدت پر سرمایہ کاری

جدت کے لئے ایک معقول سرمایہ کاری اور بہترین مہارتوں کی حامل افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ معمولی ٹیکنالوجی پر کام کرنے والے زیادہ تر ایس ایم ایز مقامی ذرائع، گھر والوں اور دوستوں وغیرہ سے کچھ رقم جمع کر لیتے ہیں لیکن ہائی ٹیک اداروں کو 'وینچر کیپیٹل' (Venture Capital) یا 'اینجل فنڈنگ' (Angel Funding)، جو مالی خطرات کے بھرپور تجزیہ کے تحت کام کرتا ہے، کی شکل میں اس مقصد کے لئے مخصوص فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آئی سی ٹی کا مقامی شعبہ اس لحاظ سے کافی فعال ہے اور اس نے ملک کے خدمات کے شعبے میں اپنی ایک الگ جگہ پیدا کر لی ہے اور موبائل کمیونیکیشن کے لئے مختلف ایپس (Apps) تیار کر رہا ہے۔ بڑے اداروں مثلاً پی اے ای سی[7] کے پاس عملہ کی تیاری کے لئے اپنے انتظامات اور کارخانہ سازی کے لئے معاون ورکشاپس موجود ہیں۔

پی اے ای سی کے لیزر پروگرام سے یہی باتیں سامنے آتی ہیں جو تحقیق و ترقی، تدریس اور پیداوار (جو 16 ارب روپے سے تجاوز کر چکی ہے) کو یکجا کرنے میں کامیاب رہا ہے اور ملائشیا، بنگلہ دیش، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے کلائنٹس کے لئے بھی کام کر رہا ہے۔ سی ای آر این کی کئی پاکستانی مصنوعات ہیں لیکن واحد چیز جو پاکستان میں ڈیزائن اور تیار کی جا رہی ہے، لیزر سے کام کرنے والے 'پوزیشن مانیٹرنگ سسٹم' ہیں (جینیوا کے ایک بہت بڑے سی ایم ایس ڈیٹیکٹر (CMS Detector) میں 40 لیزر سسٹم نصب کئے گئے ہیں)۔ لیزر لینڈ لیولر (Laser Land Leveller) جس کے چار ہزار سے زائد یونٹ پاکستان میں فروخت ہو چکے ہیں، پانی کا تصرف 31 سے 37 فیصد تک کم کرتا ہے جبکہ پانی اور کھاد کی یکساں تقسیم کی بدولت پیداوار میں 16 سے 18 فیصد تک اضافہ ہوتا ہے۔

کیس (CASE) کی مصنوعات کے لئے تبدیلی کی قوت آئی سی ٹی آر اینڈ ڈی فنڈ ہے جس کی مالیت چند سال پہلے 40 ارب روپے تک پہنچ چکی تھی اور جو تحقیقی طلبہ کو چھوٹی گرانٹس کے ذریعے آئی سی ٹی کے شعبے میں مصنوعات اور ٹیکنالوکی کی ترویج میں مدد دیتا ہے۔ بالعموم یونیورسٹی اور انڈسٹری کے درمیان روابط کم ہیں اور نجی شعبہ جدت کے میدان میں سست دکھائی دیتا ہے۔

وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کو مرکزی کردار ادا کرنا چاہئے لیکن بدقسمتی سے یہ غیر فعال ہے اور اس بات کو سمجھنے میں اس کی دلچسپی برائے نام ہے کہ ٹیکنالوجی کو کس طرح بروئے کار لا کر پاکستانی معیشت بالخصوص کارخانہ سازی کے شعبے میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ اسے مشن اور فرائض کے

اعتبار سے بڑے پیمانے پر تنظیم نو کی ضرورت ہے۔

وہ شعبے جن میں ریاست ٹیکنالوجی کے لئے تبدیلی کی قوت بن سکتی ہے

الف: **پاکستان میں بجلی کی قلت:** پاکستان بجلی کی شدید کمی کا شکار ہے اور ملائشیا کی موجودہ فی کس بجلی کے برابر آنے کے لئے اسے تقریباً 250 ارب ڈالر خرچ کرنا ہوں گے۔ ریاست کے لئے یہ شاندار موقع ہے کہ وہ اس پر توجہ مرکوز کرے کیونکہ اس سے کارخانہ سازی کو دوبارہ فروغ دینے اور پاکستان کو صنعتی استعداد میں بہتری کی راہ پر ڈالنے میں مدد مل سکتی ہے۔ تربیتی سہولیات سے قطع نظر، پاکستان میں کارخانہ سازی کے بڑے طریقوں اور آلات کے اعتبار سے مہارتیں، ڈیزائن کی صلاحیتیں اور ٹیکنالوجی پہلے سے موجود ہیں۔

ب: **برقی آلات:** پاکستان میں موبائل فونز کی تعداد اس وقت تیرہ کروڑ سے زائد ہے اور کمپیوٹر اور گھریلو برقی آلات کے علاوہ شمسی توانائی کے آلات کی فروخت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ان مصنوعات کی اندرون ملک ترقی اور پیداوار سے دوررس مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ج: **زراعت:** عمدہ مروجہ طریقوں سے پانی کے عمدہ استعمال میں بہتری لائیں اور بہت زیادہ پانی استعمال کرنے والی فصلوں مثلاً چاول وغیرہ کے لئے قواعد وضوابط بنائیں۔

آئندہ لائحہ عمل

ٹیکنالوجی، انٹرپرینیورشپ اور جدت کو فروغ دینے کے لئے ریاست کو تبدیلی کی قوت بننا ہوگا اور درج ذیل سرگرمیاں انجام دینا ہوں گی:

i. پاکستان کے اندر اور باہر اداروں کے ساتھ سٹریٹجک اتحاد جن میں ان باتوں پر زور دیا جائے:

☆ پاکستان کے اندر 'بہترین' حلقوں سے ان حلقوں کو ٹیکنالوجی کی منتقلی جو زیادہ اچھے نہیں ہیں۔

☆ منڈیوں اور ٹیکنالوجی کے آپس میں جوڑ بنانا۔

براس آسٹرولیبل
پاکستان میں ٹیکنالوجی اور جدت کی ابتدائی مثالیں

سولہویں، سترہویں صدی میں لاہور سکول آف آسٹرولیبل میکرز خاصا مشہور تھا۔ پیتل کا یہ اصطرلاب (Brass Astrolable) قائم محمد نے 1634/35 میں لاہور میں تیار کیا جو وسطی ایشیا سے بحیرہ روم تک تقریباً 50 ستاروں اور 120 شہروں کی پوزیشن دکھاتا تھا۔ اس کی پشت پر سیاروں کا جدول اور جیب (Sine)، جیب التمام (Cosine) اور مماس التمام (Cotangent) کے ریاضیاتی پیمانے دیئے گئے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس میں مسلم قمری کیلنڈر نہیں بلکہ شمسی کیلنڈر تھا، یہ ہے اصل انٹرپرینیورشپ!

☆ بزنس نیٹ ورکنگ، معلومات، قرضوں تک رسائی۔

☆ معاہدوں کے بہتر نفاذ کے ذریعے کاروباری اعتماد پیدا کرنا۔

ii. درج ذیل میں جدت آمیز مہارتوں اور 'بیک اپ' (Back-up) کا فروغ

☆ تحقیقی اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے جن میں یونیورسٹیاں، ٹیکنیکل ٹریننگ کالج اور آر اینڈ ڈی انسٹی ٹیوٹ شامل ہیں۔

☆ پیٹنٹس اور دانشورانہ ملکیتی حقوق کی حوصلہ افزائی۔

☆ سائنسدانوں اور انجینئروں کے لئے سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز کے لازمی کورسز اور دوسری جانب سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز ماہرین کے لئے سائنس اور انجینئرنگ کے لازمی کورسز پر اصرار۔ سماجی سرمایہ کی تعمیر کے عمل میں ان کے درمیان آپس میں ابلاغ ضروری ہے۔

iii. ٹیکنالوجی منتقلی کے لئے مخصوص ادارے کا قیام اور اسے درج ذیل کاموں کے لئے فنڈز کی فراہمی:

☆ یونیورسٹی اور انڈسٹری کے روابط۔

☆ مقامی کارخانہ سازی کے فروغ کے لئے سمارٹ ٹیرف اور مراعات۔

iv. 'انٹرایکٹو لرننگ' (Interactive Learning) کی حوصلہ افزائی کے لئے بنیادی ڈھانچہ، سماجی سرمایہ وغیرہ۔

v. سی پیک کے ثمرات کا ازسرنو تجزیہ: ملک بھر کے لئے منصوبوں میں شامل بجلی پلانٹس، گوادر بندرگاہ یا نئے پن بجلی ڈیموں کے لئے درکار مہارتوں کی نشاندہی۔ تیکنیکی اور انتظامی مہارتوں کے علاوہ زبان کی مہارتیں بھی انتہائی ضروری ہیں۔ اس سے سوشل انجینئرنگ کے دلچسپ امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

vi. سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسی مہارتوں میں کم وبیش 20 فیصد داخلے کا ہدف رکھا جائے جو قابل تصدیق ہوں اور جنہیں بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہو۔ ہمارے ہاں مہارتوں کے باضابطہ پروگراموں میں صرف تین لاکھ کے لگ بھگ طلبہ داخل ہیں جبکہ یونیورسٹیوں میں یہ تعداد تقریباً پندرہ لاکھ ہے۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش بھلے صحیح معنوں میں ایک سیاسی معاملہ ہے اور اس کے لئے سیاسی عزم درکار ہے لیکن ان تمام سرگرمیوں سے سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کی حوصلہ افزائی ہوگی اور روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔

زراعت اور سب کی شمولیت پر مبنی افزائش میں دیہی معیشت کا کردار: مسائل، امکانات اور پالیسی ترجیحات

نزہت احمد

سی ای او
کیپسٹون کنسلٹنگ انٹرنیشنل پرائیویٹ لمیٹڈ پاکستان
سابق مشیر غربت پالیسی، بیورو فار ڈویلپمنٹ پالیسی،
یو این ڈی پی، نیویارک
سابق سینئر ریسرچ فیلو
انٹرنیشنل فوڈ پالیسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،
ڈویلپمنٹ سٹریٹجیز اینڈ گورننس ڈویژن، واشنگٹن ڈی سی

پاکستان بیش بہا قدرتی وسائل اور زراعت کی ترقی کے لئے سازگار آب وہوا سے مالا مال ملک ہے۔ 1947 میں ملک کی آزادی کے وقت سے زراعت معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کر رہی ہے اور ملکی افزائش وترقی کے عمل کو آگے بڑھانے میں مدد دے رہی ہے۔ 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں جی ڈی پی میں اس شعبے اور اس کے ذیلی شعبوں (فصلیں، لائیوسٹاک، پولٹری، ماہی گیری اور جنگلات) کا حصہ 40 فیصد کے لگ بھگ رہا۔ 1970 اور 1980 کی دہائیوں میں جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کا زرعی شعبہ کارکردگی کی دوڑ میں آگے رہا لیکن پھر یہ پیچھے ہوتا گیا اور اب یہ محض صنعت کا معاون شعبہ بن کر رہ گیا ہے۔ پالیسی محور زرعی شعبے کی بہتری سے ہٹ کر صنعت وخدمات کے فروغ کی جانب منتقل ہوگیا جس کی وجہ سے جی ڈی پی میں اس شعبے کا حصہ کم ہو کر 20 فیصد کے لگ بھگ رہ گیا۔ دوسری جانب صنعت اور خدمات کے شعبوں کا حصہ بڑھتا ہوا 80 فیصد تک پہنچ گیا۔ اس شعبے کی افزائش کو بھی نقصان پہنچا اور اوسط سالانہ شرح افزائش 2000-2010 میں 3.7 فیصد، 2010-2014 میں 2.8 فیصد اور 2017-18 میں 3.8 فیصد تک آگئی جو گزرے سالوں کی 4 سے 6 فیصد کی اوسط کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔

اگرچہ جی ڈی پی میں اس شعبے کا حصہ کم ہوگیا ہے لیکن آج بھی زراعت ملکی معیشت کی ترقی کے لئے ناگزیر حیثیت رکھتی ہے جس سے دیہی علاقوں میں رہنے والی آبادی کے 63 فیصد کو ذرائع معاش میں مدد ملتی ہے، افرادی قوت کے 45 فیصد کا روزگار اس سے وابستہ ہے اور اشیائے خورد ونوش، ٹیکسٹائل اور چمڑے کی مصنوعات کی شکل میں ملکی برآمدات (بالواسطہ اور بلاواسطہ) میں اس کا حصہ 70 فیصد سے بھی زائد ہے۔ مزید برآں، معیشت کے دیگر شعبوں کے ساتھ بھی اس کے روابط مضبوط ہیں۔ صنعت کو خام مال اسی شعبے سے ملتا ہے جبکہ صنعت میں تیار ہونے والی مختلف اشیاء مثلاً کیڑے مار ادویات، کھادوں، ٹریکٹروں اور زرعی آلات کے لئے یہ شعبہ سب سے بڑی منڈی کا کردار ادا کرتا ہے۔ پاکستان کی دیہی غیر کاشتکاری معیشت بھی خاطر خواہ کارکردگی دکھا رہی ہے جو کئی طرح کے روزگار کے مواقع فراہم کرتی ہے جن میں روزمرہ اشیائے ضروریہ فروخت کرنے والی گاؤں کی چھوٹی دکانیں، مرمت وغیرہ کی دکانیں، ٹرانسپورٹ سہولیات، چھوٹے پیمانے پر ہونے والی دیہی پراسیسنگ وغیرہ شامل ہیں۔ 2000 کی دہائی کے تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر کاشتکاری آمدنی دیہی گھرانوں کی کل آمدنی کا 40 سے 58 فیصد تھی۔[1] یہاں تک کہ زراعت سے وابستہ کاشت کاروں کی آمدنی کا 36 سے 51 فیصد تک غیر کاشتکاری دیہی ذرائع سے حاصل کیا جاتا تھا۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں صنعتی ترقی کے لئے بنیاد کی فراہمی میں زراعت کے کردار کو ہمیشہ سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن حالیہ عرصے کے دوران یہ کردار بدل گیا ہے اور اب یہ شعبہ خوراکی سلامتی یقینی بنانے، سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے فروغ، غربت میں کمی، صنفی برابری کے فروغ اور ماحول کی مینجمنٹ میں مدد دینے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ آج ترقی پذیر ممالک میں زراعت اور دیہی معیشت کے کردار کے بغیر ایس ڈی جیز پر پیشرفت ناممکن سی بات ہے۔

سال 2000 سے سب کی شمولیت پر مبنی افزائش (Inclusive Growth) بین الاقوامی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت افزائش میں شریک ہو، اس میں اپنا کردار ادا کرے اور اس سے مستفید ہو۔ زرعی شعبے میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کا مطلب یہی ہوگا کہ خط غربت سے نیچے رہنے والے محروم دیہی غریب افراد اور خواتین جنہیں اکثر بلند معاشی افزائش سے فائدہ نہیں پہنچتا، کو روزگار کے زیادہ مواقع ملیں اور ان کی آمدنیاں بلند ہوں۔ بیشتر ترقی پذیر ملکوں کے غریب لوگ دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور زراعت کے شعبے میں کام کرتے ہیں لہٰذا اس شعبے کی افزائش سب کی شمولیت پر مبنی ہوسکتی ہے۔ پاکستان میں زراعت سب کی شمولیت پر مبنی افزائش اور غربت میں کمی کے لئے اہم محرک بھی بن سکتی ہے کیونکہ 80 فیصد غریب افراد دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش زراعت سے وابستہ ہیں۔ غربت کے تخمینوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شہری غربت (12 فیصد) کے مقابلے میں دیہی غربت (30 فیصد) کہیں بلند ہے۔[2]

متعدد ممالک کے تحقیقی وتجرباتی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ زراعت سے ہونے والی جی ڈی پی کی افزائش دیگر شعبوں کی افزائش کے مقابلے میں غربت میں زیادہ کمی لاتی ہے۔ افریقی ممالک (بشمول سب صحارا افریقہ) میں غیر زرعی شعبے کی افزائش کے مقابلے میں زرعی شعبے کی افزائش سے غربت میں پانچ گنا زیادہ کمی آئی۔ سب صحارا افریقہ میں غربت میں کمی کے حوالے سے دیگر شعبوں کے مقابلے میں زراعت گیارہ گنا زیادہ موثر رہی ہے۔[3] شواہد یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ دنیا کے دیگر حصوں میں زراعت نے غربت میں کمی پر شاندار اثرات دکھائے ہیں اور زراعت سے جی ڈی پی میں ایک فیصد اضافے کا نتیجہ غریب ترین طبقات کے اخراجات میں 6 فیصد سے بھی زائد اضافے کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

پالیسیاں: ماضی اور مستقبل

پاکستان میں زرعی شعبے کے فروغ کے لئے بنائی گئی پالیسیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس شعبے کو درپیش مشکلات ومسائل اور اس کی افزائش وترقی کے لئے سفارشات کئی مختلف پالیسی دستاویزات میں مرتب کی جاچکی ہیں (قومی زرعی پالیسی 1980، زراعت پر قومی کمیشن کی رپورٹ 1988، قومی زرعی پالیسی 1991، زرعی نقطہ نظر و پالیسی 2004 (جسے باضابطہ منظوری نہ مل سکی)، معاشی افزائش کا فریم ورک 2011، قومی خوراکی سلامتی و زرعی پالیسی 2017)۔ ان دستاویزات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سال در سال زرعی پالیسیوں پر کس طرح توجہ دی جاتی رہی ہے۔ ابتدائی سالوں میں

1 آسٹریلین سنٹر فار انٹرنیشنل ایگریکلچر ریسرچ، Pakistan Agriculture Challenges, Policy Interventions and ACIAR's Policy Research۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.pide.org.pk/pdf/Seminar/Pakistan-Agri-sector.pdf
2 حکومت پاکستان، ''پاکستان اکنامک سروے 18-2017''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey_1718.html
3 یو این ایف اے او (2012)، Contribution of Agricultural Growth to Reduction of Poverty, Hunger and Malnutrition۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.fao.org/docrep/016/i3027e/i3027e04.pdf

بڑی فصلوں کی پیداوار بڑھانے، اراضی کی اصلاحات اور گورننس پر زور دیا جاتا رہا جبکہ حالیہ عرصے کے دوران یہ زور خوراک کی سلامتی، غذائیت اور تنوع پیدا کرنے کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

مقاصد کی تکمیل میں عملی طور پر پالیسی کارکردگی ملی جلی رہی ہے۔ مثال کے طور پر دوسرے پنجسالہ منصوبے (1960-65) کے تحت بنائی گئی پالیسیاں اور سبز انقلاب جس میں جدید طریقوں اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا گیا، منڈیوں کو مستحکم کیا گیا اور خریداری قیمتیں مقرر کی گئیں، آبپاشی اور بنیادی ڈھانچے کے علاوہ تحقیق و توسیع پر سرمایہ کاری کی گئی، اس شعبے کی افزائش بڑھانے میں موثر رہے۔ اوسط زرعی افزائش 1960-65 کے عرصے میں 4 فیصد اور 1966 سے 1970 کے دوران 6.3 فیصد ریکارڈ کی گئی۔

اراضی اصلاحات کی مختلف کوششیں (1959، 1972، 1977) زمین کی زیادہ سے زیادہ ملکیت کو محدود کرنے میں کچھ زیادہ موثر نہیں رہیں۔ پانی مختص کرنے کی پالیسیاں ابتدائی سالوں میں تو کامیاب رہیں لیکن ناکافی ذخیرے، نقصان اور پانی کی پست پیداواری صلاحیت جیسے پیہم مسائل سے نمٹنے میں موثر نہیں رہیں۔ کوآرڈینیشن اور پالیسیوں کی افادیت بہتر بنانے کے لئے اداروں کی ترویج (مثلاً نیشنل ایگریکلچر پرائسز کمیشن، پاکستان ایگریکلچر ریسرچ کونسل، 1981) ان مقاصد کے حصول میں جزوی طور پر کامیاب رہی ہے۔

پاکستان کی زراعت میں افزائش اور سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کو آگے بڑھانے کی بے پناہ استعداد موجود ہے لیکن حکومت کو مقامی اور بین الاقوامی تجربات سے سیکھنا ہوگا، مروجہ پالیسی طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا اور اس استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے بڑی پالیسی اصلاحات متعارف کرانا ہوں گی۔ ماضی کی حکمت عملیاں اور سفارشات خاصی مفصل تھیں لیکن وہ بڑی حد تک اس لئے ناکام رہیں کہ بجٹ میں ان کے مطابق رقوم مختص نہ کی گئیں، نگرانی اور عملدرآمد کے منصوبے نہیں تھے اور زرعی پالیسیوں کو مجموعی پالیسیوں میں پوری طرح ضم نہ کیا گیا۔

ماضی میں پالیسی کا محور بڑی فصلیں رہیں لیکن ان کی مانگ کم ہو رہی ہے جبکہ دوسری فصلوں اور لائیوسٹاک کی مانگ باقاعدگی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ زراعت کی دنیا اب جدید شکل اختیار کر چکی ہے اور بدل چکی ہے۔

بھرپور کوآرڈینیشن پر مبنی 'سپلائی چین' (Supply Chain) سامنے آ گئے ہیں جنہوں نے زرعی منڈیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ان تبدیلیوں پر پورا اترنے کے لئے پالیسیوں میں ترامیم لازم ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ان کے محور کو بڑی فصلوں سے ہٹایا جائے اور ان میں تنوع پیدا کر کے زیادہ مالیت والی فصلوں کو اس میں شامل کیا جائے، قومی اور بین الاقوامی منڈیوں کی بدلتی مانگ کو پورا کرنے کے لئے لائیوسٹاک اور دیہی غیر کاشتکاری سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔ سی پیک کی بدولت چین کی اشیائے خورد و نوش کی منڈی سے فائدہ اٹھانے کا منفرد موقع پیدا ہو گیا ہے کیونکہ چین ہر سال 500 ارب ڈالر سے زائد کی اشیائے خورد و نوش درآمد کرتا ہے۔ سی پیک کی سندھ طاس راہداری میں فصلوں کے تنوع کی گنجائش موجود ہے جس کا مزید جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ہم جنوبی افریقہ، انڈونیشیا اور جنوبی ایشیا و افریقہ کے دیگر ممالک کے تجربات سے کافی کچھ سیکھ سکتے ہیں جنہوں نے فصلوں میں تنوع پیدا کر کے اور لائیوسٹاک اور ایگری بزنس (Agribusiness) کو فروغ دے کر اپنے زرعی شعبوں کو ترقی دی ہے۔

ماضی کی پالیسیاں وسائل کی کمی کے باعث ناکام رہیں۔ اصلاحاتی ایجنڈا کو آگے بڑھانے کے لئے نہ صرف خاطر خواہ حد تک مزید وسائل دینا ہوں گے بلکہ واضح سرمایہ کاری ترجیحات بھی طے کرنا ہوں گی۔ فنڈز کو اس طرف منتقل کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ گندم کی ملکی خریداری اور تقسیم پر اٹھنے والے اخراجات کم کئے جائیں اور سرکاری گندم کی فلور ملوں اور کھاد کی صنعت کو فروخت پر سبسڈیز میں کمی لائی جائے۔

اس کے لئے خاص طور پر ضروری ہوگا کہ:

☆ پیداواری صلاحیت اور پیداوار (خاص طور پر چھوٹے کسانوں کی) بہتر بنانے اور تبدیلی آب و ہوا سے نمٹنے کے لئے اخراجات بڑھائے جائیں۔

☆ تحقیق و توسیع پر مزید سرمایہ کاری صرف پیداواری صلاحیت اور پیداوار بڑھانے پر ہی نہیں بلکہ سیلاب، موسمیاتی تبدیلیوں اور کیڑوں اور بیماریوں کے مقابلے کی صلاحیت بہتر بنانے کے لئے بھی کی جائے۔

☆ ملک بھر میں کسانوں تک معلومات اور مروجہ طریقوں کے پھیلاؤ کی سرگرمیاں وسیع کی جائیں اور بہتر طریقوں کے زیادہ پھیلاؤ کے لئے بیج کی منڈی کو ریگولیٹ کیا جائے۔

☆ آبی ذخیرے اور تقسیم بشمول نہروں کی بحالی و دیکھ بھال پر بڑی سرمایہ کاری کی جائے جس سے پانی کی دستیابی بہتر ہوگی، سیلاب کی وجہ سے تباہی کم سے کم ہوگی اور استعمال ہونے والے پانی کی کارکردگی بہتر ہوگی۔

☆ بنیادی ڈھانچے (بجلی، ٹرانسپورٹ، کولڈ سٹوریج) پر سرمایہ کاری کو ترجیحی حیثیت دی جائے۔

☆ زراعت اور لائیوسٹاک کے لئے جدید اور عمدہ سپلائی چین بنانے کے لئے 'ویلیو ایڈیشن' (Value Addition) کو فروغ دیا جائے۔

☆ دیہی بنیادی ڈھانچے اور تحقیق و توسیع پر سرمایہ کاری کے لئے نجی شعبے کو زیادہ مراعات دی جائیں۔

مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ پاکستان کو اپنے آبی وسائل بہتر طریقے سے استعمال کرنا ہوں گے، اداروں کی استعداد بڑھانا ہوگی، مختلف سطح کی حکومتوں کی پالیسیوں کی کوآرڈینیشن کرنا ہوگی اور انہیں آپس میں ضم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے درج ذیل کام کرنا ہوں گے:

آبی وسائل کو زیادہ دانشمندانہ طریقے سے استعمال کیا جائے، بہتر کارکردگی والے آبپاشی نظاموں کے ممکنہ استعمال کو آزمایا جائے، پانی کی موزوں قیمت مقرر کر کے اس کے عمدہ استعمال میں اضافہ کیا جائے اور قومی آبی پالیسی وضع کی جائے۔

زراعت کو موسمیاتی دھچکوں اور تبدیلی آب و ہوا کے مقابلے میں مستحکم بنانے کے لئے اداروں میں استعداد پیدا کی جائے کہ وہ خطرات کی پیش بینی کر سکیں اور پیشگی منصوبہ بندی کر سکیں۔

اٹھارہویں ترمیم کے بعد صوبوں کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ وفاق کے ساتھ مل کر اپنی زرعی پالیسیاں تیار کریں۔

صوبائی پالیسیوں کو قومی زرعی پالیسیوں میں اور زرعی پالیسیوں کو دیگر پالیسیوں میں ضم کیا جائے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سب کی شمولیت پر مبنی افزائش تبھی ممکن ہے کہ پالیسیاں شعبہ زراعت کو درپیش مسائل اور رکاوٹوں کا ازالہ کریں، موزوں وسائل مختص کئے جائیں، منصوبوں کی پوری طرح نگرانی کی جائے اور پالیسی ساز پختہ عزم کے ساتھ پالیسی اصلاحات اور پھر ان پر عملدرآمد کو آگے بڑھائیں۔

صنعتی پالیسی: سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے فروغ میں درپیش مشکلات اور مواقع

شاہد جاوید برکی

سابق نائب صدر عالمی بینک
ڈی فیکٹو وزیرخزانہ، پاکستان
سینئر ماہر اقتصادیات

2017 کی مردم شماری سے پاکستانی پالیسی سازوں کے لئے کئی حیران کن باتیں سامنے آئیں۔ ملک کی آبادی حکومتی اندازوں سے کہیں زیادہ ہے یعنی حکومتی تخمینوں کے مطابق یہ 18 کروڑ کے لگ بھگ تھی اور اصل میں یہ تقریباً 21 کروڑ ہے۔ افزائش آبادی کی شرح 1.8 فیصد نہیں بلکہ 2.4 فیصد ہے۔[1] جی ڈی پی کی اصل افزائش 2013-14 میں چار فیصد سے زائد تھی اور مسلسل بڑھتی ہوئی 2016-17 میں یہ 5.28 فیصد تک پہنچ گئی جو دس سال کی بلند ترین شرح ہے۔[2] ہر سال افرادی قوت میں تقریباً پچاس لاکھ افراد کا اضافہ ہو رہا ہے جن میں نصف سے کچھ کم شہری علاقوں میں رہتے ہیں۔ تاہم پاکستان میں آبادیاتی تغیر کا مرحلہ ابھی اپنی پختگی کو نہیں پہنچ پایا۔ پالیسی ساز برادری کو موزوں معاشی، سیاسی اور سماجی پالیسیوں کی تیاری میں ان معلومات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ پالیسی سازی میں نہ صرف افرادی قوت میں شامل ہونے والے نئے افراد کے لئے بلکہ پہلے سے برسر روزگار افراد کے لئے بھی روزگار پیدا کرنے پر توجہ دینا ہوگی۔ زیر نظر تحریر کا موضوع بحث بھی یہی ہے کہ سرکاری پالیسی میں گھریلو وسائل پر کام کرنے والے چھوٹے پیداواری اداروں (ایس ایم ایز) کی ترقی پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ وہ تیزی سے ترقی کرتے ان عالمی سپلائی چین (Global Supply Chains) کا حصہ بنیں جو عالمی صنعتی پیداوار کے ڈھانچے کو بدل رہے ہیں۔

1947 میں اپنے قیام کے وقت پاکستان بڑی حد تک ایک زرعی معیشت تھا۔ صنعتی شعبہ محض چھوٹے پیمانے کے دھاتی اور لکڑی کے پیداواری اداروں پر مشتمل تھا۔ بڑے پیمانے کے پیداواری شعبے میں صرف دو کارخانے تھے جن میں سے ایک ٹیکسٹائل کا تھا اور دوسرا سیمنٹ کا۔

اکہتر سال بعد صنعت کا شمار معیشت کے بڑے شعبوں میں ہوتا ہے جس کا خام ملکی پیداوار میں حصہ تقریباً 20.9 فیصد ہے۔[3] اسے تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا، بڑے پیمانے کے پیداواری ادارے جو کل صنعتی پیداوار کا 79.9 فیصد تیار کرتے ہیں، چھوٹے اور درمیانے ادارے جن کا حصہ 13.8 فیصد ہے جبکہ تیسرا ذبیحہ کی صنعت[4] ہے جو باقی 6.4 فیصد پر مشتمل ہے۔ ملک کے صنعتی شعبے کا یہ ڈھانچہ سرکاری پالیسی کی پیداوار ہے جس نے کئی مختلف طریقوں سے اس پر اپنا اثر دکھایا۔ حال پر ماضی کے اثر کو ماہرین اقتصادیات انگریزی میں Path Dependence کا نام دیتے ہیں۔ حکمت عملی کے مرکزی عناصر پیش کرنے سے پہلے ماضی کے مختلف ادوار میں اپنائی گئی سوچ پر مختصر سی بحث ضروری ہے۔

آغاز (1947-58)

1947 میں قیام پاکستان کے وقت پاکستانی معیشت پر زراعت کا غلبہ تھا۔ قومی پیداوار کا تقریباً نصف اسی شعبے سے حاصل ہوتا تھا اور افرادی قوت کے بڑے حصے کا روزگار اس سے وابستہ تھا۔ برآمدات میں بھی زرعی مصنوعات غالب تھیں۔ احمد آباد اور ممبئی کی ٹیکسٹائل ملوں کو زیادہ تر خام کپاس پاکستان سے برآمد کی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نئی دہلی سے باہر بیٹھی برطانوی نوآبادیاتی انتظامیہ کو انگریز سلطنت ہند کے مشرقی علاقوں میں خوراک کی متواتر قلت کے باعث ممکنہ سیاسی بے چینی کی پریشانی لاحق رہتی تھی۔ 1857 کی عظیم بغاوت کی یادیں ابھی حکمرانوں کے ذہنوں میں تازہ تھیں۔ اس سلسلے میں حکمت عملی طے کرنے کے لئے لندن حکومت نے ''شاہی قحط کمیشن'' (Royal Famine Commissions) قائم کئے۔ یہ کمیشنز اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطنت کے جن علاقوں میں فالتو خوراک موجود ہے وہاں سے اناج درآمد کرنا بہت مہنگا پڑے گا۔ اس کے علاوہ خوراک کی بروقت ترسیل یقینی بنانا بھی مشکل تھا۔ دوسرا لائحہ عمل یہ تھا کہ ہندوستان کے اندر ایسے علاقوں کو ترقی دی جائے جہاں مناسب سرکاری سرمایہ کاری سے اضافی اناج پیدا کیا جائے جس سے خوراک کی کمی کا شکار علاقوں کی ضرورت پوری کی جائے۔ پنجاب میں کئی جگہوں پر وسیع غیر کاشت شدہ اراضی موجود تھی جسے دریائے سندھ سے جڑے دریاؤں کے استعمال شدہ لیکن وافر پانی کو کام میں لا کر زیر کاشت لایا جا سکتا تھا۔ حکومت نے زمینی آبپاشی کا نظام تعمیر کرنے کے لئے بھاری سرمایہ کاری کی اور جلد ہی یہ دونوں صوبے مشرقی ہندوستان کے اناج گھر بن گئے۔ اضافی خوراک کی نقل و حمل کے لئے حکومت نے سڑکوں اور ریلوے کا وسیع نیٹ ورک بھی تعمیر کیا جس نے پنجاب اور سندھ کو بنگال، بہار اور اڑیسہ سے جوڑ دیا۔ آزادی کے وقت جو حصہ مغربی پاکستان بنا وہ باقی ہندوستان کی معیشت سے جڑا ہوا تھا جہاں سے زرعی پیداوار برصغیر کے صنعتی علاقوں کو سپلائی کی جاتی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارت اگر اس مستحکم ڈھانچے کو بدلنے والی پالیسیاں نہ اپناتا تو برصغیر کی معیشت کا یہ ڈھانچہ اسی طرح برقرار رہتا۔ بھارت کو پاکستان کا یہ فیصلہ چبھتا تھا کہ وہ انگریز دولت مشترکہ کے تمام دیگر ملکوں کی طرح اپنی کرنسی کی قدر میں امریکی ڈالر کے حساب سے کمی نہیں کرے گا لہٰذا اس نے پاکستان کے ساتھ ہر قسم کی تجارت بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بھارتی حکام کا یہ واحد اقدام پاکستانی معیشت کی ترقی کے لئے بے پناہ اثرات کا حامل رہا۔ پاکستان نے اپنے ہاں صنعتی عمل شروع کر دیا اور حکومت نے نجی شعبے پر زور دیا کہ وہ اشیائے صرف تیار کرنے والی صنعتیں لگائے۔ حکومت کے ذہن پر روزمرہ پیداوار کی اشیاء کی تیاری کا معاملہ سوار تھا جس کی وجہ سے زرعی شعبے کو نظر انداز کر دیا گیا۔ آزادی کے بعد کی پہلی دہائی کے دوران ہی زرعی پیداوار میں اضافے کی شرح کم ہو

1 وزارت خزانہ۔ Pakistan Economic Survey 2016-17, Overview of the Economy۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_17/overview_2016-17.pdf
2 ایضاً
3 وکی پیڈیا، Economy of Pakistan: Industry۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://en.wikipedia.org/wiki/Economy_of_Pakistan
4 'ذبیحہ' (Slaughtering) معاشیات کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد جانوروں کو مذبح خانوں میں ذبح کر کے مختلف مصنوعات تیار کرنا ہے۔

کر محض ایک فیصد سالانہ پر آ گئی۔

اس نے روزگار اور شہری رجحان پر اثرات مرتب کئے۔ دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع افزائش آبادی کی شرح کے مطابق نہیں بڑھ رہے تھے لہٰذا کراچی کی طرف بڑے پیمانے پر ہجرت کا سلسلہ چل نکلا جو اب نئی صنعت کا گڑھ بن چکا تھا۔ نتیجتاً کراچی اپنے حجم سے باہر نکل گیا اور اسے ''جھٹ پٹ شہر'' (Instant City) کا نام دیا جانے لگا۔[5]

نجی مراعات (1958-69)

پاکستان میں جنرل ایوب خان کے گیارہ سالہ دور حکمرانی کو پاکستانی معیشت کا سنہرا دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ آزادی کے بعد پہلی دہائی کے دوران جی ڈی پی میں افزائش کی جو شرح رہی تھی اس کے مقابلے میں اس دہائی کے دوران یہ دوگنا سے بھی بڑھ گئی۔ اس انقلابی تبدیلی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرکاری پالیسی کی بدولت ممکن ہوئی۔ ہاورڈ یونیورسٹی کی ڈویلپمنٹ ایڈوائزری سروس سے ماہرین کو بلایا گیا کہ وہ یہاں آ کر کیشن کی مہارتیں بہتر بنائیں۔ ان میں سے بعض ماہرین نے پاکستان کو اقتصادی کامیابی کی ایک مثال قرار دیا جو دوسری اقوام کے لئے ایک لائق تقلید ماڈل کا کردار ادا کر سکتی ہے۔[6]

نجی کاروباری اداروں کی حوصلہ افزائی اس ماڈل کا سب سے اہم عنصر تھا جس کی بدولت کارخانہ سازی اور زراعت دونوں میں نجی شعبے نے خوب ترقی کی۔ ایوب خان نے ملک میں 'سبز انقلاب' کی بنیاد رکھ دی اور نئی ٹیکنالوجیز کے اپنانے سے خوراک کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ایوب دور کی معاشی کامیابی اپنی جگہ ایک قابل بحث موضوع ہے۔ جہاں بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ غربت کی شرح میں بھی کمی آئی اور آمدنی کی تقسیم بہتر ہوئی وہیں ماہرین معاشیات مثلاً اس وقت کے چیف اکانومسٹ ڈاکٹر محبوب الحق نے اپنی ایک تقریر میں اس بات کی نشاندہی کی کہ دولت کا ارتکاز چند صنعتی گھرانوں تک ہو کر رہ گیا ہے۔[7] ناقدین ان کے اس تجزیہ کو یہ کہتے ہوئے چیلنج کرتے ہیں کہ ایوب خان کے دور میں آبادی کے سب سے اوپر والے یعنی امیر ترین 20 فیصد کو جانے والی آمدنی میں 3.2 فیصد پوائنٹس تک کمی آئی جو 45.2 فیصد سے 42 فیصد پر آ گئی جبکہ سب سے نیچے والے یعنی غریب ترین 20 فیصد کا حصہ 1.8 فیصد بڑھ گیا یعنی 6.4 فیصد سے 8.2 فیصد ہو گیا۔ امیر ترین افراد پر غریب ترین افراد کے تناسب میں 2 فیصد پوائنٹس تک کمی آ گئی جو 7.1 سے 5.1 ہو گئے۔[8] بہر حال اس تقریر نے ایوب خان کے زوال اور پاکستان میں سوشلزم کے ظہور میں اپنا کردار ادا کیا۔[9]

سوشلزم کی جانب (1971-77)

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے معیشت کے نظم و نسق میں میں سوشلسٹ طرز فکر متعارف کرایا۔ وہ چونکہ ایک ماہر اقتصادیات نہ تھے اس لئے سوویت یونین اور سرحد پار بھارت میں جی ڈی پی کی افزائش اور آمدنی کی تقسیم میں سرکاری شعبے کے کردار کی غلط تشریح کر بیٹھے۔ وہ اس بات پر قائل تھے کہ معیشت میں حکومت کی موجودگی کو وسعت دے کر ہی رائے دہندگان سے کیا گیا وہ وعدہ پورا کیا جا سکتا ہے جس نے انہیں مسند اقتدار تک پہنچایا۔ 1970 میں انہوں نے اور ان کی نو آموز سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے عوام سے 'روٹی، کپڑا اور مکان' کا وعدہ کر کے انتخاب جیتا تھا۔ بھارت نے سرکاری شعبے کے کنٹرول کے تحت بھاری صنعتوں میں سرمایہ کاری کر کے معیشت میں ریاست کی موجودگی کو وسعت دی تھی، اس کے برعکس ذوالفقار علی بھٹو نے 'شارٹ کٹ' اپنایا۔ انہوں نے مزید وسائل حکومت کے ہاتھ میں لانے کے لئے صنعت، خزانہ اور کامرس کے شعبوں کے بڑے اداروں کو قبضے میں لے لیا۔ بڑے اداروں کو قومیانے کے چند سال بعد ان کی حکومت نے فوڈ پراسیسنگ کی صنعت کے چھوٹے اور درمیانے ادارے بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اس بار اداروں کو قومیانے کے پیچھے معیشت نہیں بلکہ سیاست کارفرما تھی۔ بڑے کسان چونکہ فوڈ پراسیسنگ کی صنعتوں کو اپنے کنٹرول میں لا کر ان میں سرمایہ کاری کر چکے تھے لہٰذا اس اقدام سے بھٹو آبادی کے اس طبقے پر اپنا سیاسی اثر و رسوخ بڑھانا چاہتے تھے۔[10] ان پالیسیوں نے ان نجی مراعات کو منسوخ کر دیا جن کی بنیاد پر جنرل ایوب خان نے معاشی کامیابی کی راہ نکالی تھی۔ غریبوں کی مدد کرنے اور روزگار اور اجرتوں میں اضافے کے بجائے بھٹو کی معاشی پالیسیوں نے عین اس کے برعکس اثر دکھایا۔ بھٹو کے دور اقتدار میں غربت کی شرح بڑھ گئی جس نے سیاسی سٹیج پر فوج کی واپسی میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔[11]

سوشلزم کے خمار سے بحالی (1977-88)

بھٹو کے دور میں پاکستان پر سوشلزم کا جو خمار چڑھا تھا اس کے بعد آنے والی فوجی حکومت نے اس سے نکلنے کی کوشش میں معیشت کو بیوروکریسی کے حوالے کر دیا۔ سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کی رہنمائی کے لئے منصوبہ بندی کے احیاء کی کوششیں ہوئیں۔ لیکن اسی دوران سوویت یونین نے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال نے پاکستان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

بے سمت ترقی (1988-2018)

بحیثیت قوم پاکستان کے یہ طویل چالیس سال اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ سیاست اور معیشت کے درمیان گہرا اور براہ راست تعلق پایا جاتا ہے۔ ماہر اقتصادیات ڈیرن ایسموگلو اور ماہر سیاسیات جیمز رابنسن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سب کی شمولیت پر مبنی اقتصادی نظام تبھی ممکن ہے جب اسے سب کی شمولیت پر مبنی سیاسی نظام کی حمایت میسر ہو۔[12] ایوب خان کا دور سب کی شمولیت پر مبنی اقتصادی ترقی کی ایک کوشش تھا جس کے لئے اس نے ''بنیادی جمہوریتوں'' کے نظام کی بنیاد رکھی۔ اس نظام کے بارے میں خیال تھا کہ یہ آبادی کے غریب طبقات کو فعال بنا کر معاشی افزائش میں مدد دے گا۔ یہ کوشش سیاست کی نذر ہو گئی۔ فوجی لیڈر کے مخالفین نے یہ اعتراض اٹھایا کہ اس کا سیاسی نظام حقیقی معنوں میں سب کی شمولیت پر مبنی نہیں ہے۔ 1988 میں ضیاء الحق کی موت سے اب تک پاکستان سب کی شمولیت پر مبنی سیاسی نظام کے قیام کے لئے مصروف جدوجہد ہے۔ 2018 کے انتخابات سے لگتا ہے کہ ملک کو بالآخر وہ سیاسی نظام مل جائے گا جو معقول حد تک معاشرے کے بیشتر طبقات کی نمائندگی کرتا ہو۔ اگر پاکستان کو سیاسی لحاظ سے آگے بڑھنا ہے تو یہی وقت ہے کہ معاشی حکمت عملی پر پھر سے کام کیا جائے۔

معاشی افزائش میں تیزی، روزگار میں اضافہ اور غربت میں کمی

پاکستان کے پاس متعدد ایسے مواقع موجود ہیں جو سب کی شمولیت پر مبنی معاشی افزائش کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔ شعبہ زراعت کی غیر معمولی استعداد جسے پوری طرح بروئے کار نہیں لایا گیا یا ناقص طریقے سے استعمال کیا گیا، ملک کا محل وقوع جو اسے زمینی اور بین البراعظمی تجارت کا مرکز بننے کا شاندار موقع فراہم کرتا ہے اور چین کی دلچسپی کہ وہ پاکستان کو اپنے 'بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو' (Belt and Road Initiative) میں مرکزی کردار دینے کا خواہشمند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ معاشی ترقی کے فروغ کی حکمت عملی ان تمام عوامل کو اس طرح بروئے کار لا سکتی ہے کہ یہ ایک دوسرے کا سہارا بن جائیں۔ اسی مرکزی خیال کو لاہور کے برکی انسٹی ٹیوٹ آف پبلک پالیسی نے اجاگر کیا ہے۔[13] یہ انسٹی ٹیوٹ اس پر مزید کام کر رہا ہے اور ایک ایسا پروگرام تیار کر رہا ہے جس کے تحت لاہور، گجرات اور سیالکوٹ کی شکل میں بننے والی 'سنہری مثلث' میں چھوٹے اور درمیانے کاروباری اداروں کو اس طرح ترقی دی جائے کہ یہ علاقہ چین کی بڑی صنعتوں بالخصوص آٹو موبائل کے شعبے کے لئے 'سپلائی چین' (Supply Chain) کا مرکز بن جائے۔ پاکستان کے مشرقی اور شمالی علاقوں کو ترقی دے کر ان سے چین کے مغربی حصوں کو اشیائے خورد و نوش کی فراہمی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ بیجنگ حکومت اس وقت اقتصادی ترقی کی ایک نئی سوچ پر عمل پیرا ہے جس میں لوگوں کو مشرقی ساحل پر واقع ہجوم زدہ علاقوں سے کم آبادی والے صوبوں میں منتقل کیا جائے گا۔[14] اس علاقے میں نئے آنے والوں کو خوراک کی ضرورت ہوگی جو مقامی طور پر پیدا نہیں ہو سکے گی کیونکہ وہاں زراعت

5 سٹیو انزکیپ (2012)۔ Instant city: Life and Death in Karachi۔ نیویارک، پینگوئن بکس۔
6 گستاو ایف پاپانک (1968)۔ Pakistan's Development: Social Goals and Private Incentives۔ کیمرج، ماس، ہاورڈ یونیورسٹی پریس۔
7 تقریر بعنوان '22 خاندان'۔ مزید مطالعہ کے لئے دیکھیں: https://mhrc.lums.edu.pk/speeches-dr-mahbub-ul-haq
8 پرویز حسن (1998)۔ Pakistan's Economy at the Crossroads: Past Policies and Present Imperatives۔ کراچی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، جدول 1.14، صفحہ 61۔
9 شاہد جاوید برکی (1986)۔ Pakistan: A Nation in the Making۔ باؤلڈر کولو، ویسٹ ویو پریس۔
10 دیکھیں شاہد جاوید برکی (1980)۔ Pakistan under Bhutto, 1971-77۔ لندن، مک ملن۔
11 شاہد جاوید برکی، کریگ بیکسٹر (1991)۔ Pakistan under the Military: Eleven Years of Zia ul-Haq۔ باؤلڈر کولو، ویسٹ ویو پریس۔
12 ڈیرن ایسموگلو، جیمز اے رابنسن (2012)۔ Why Nations Fail: The Origins of Power, Prosperity, and Poverty۔ نیویارک، کراؤن بزنس۔
13 برکی انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈی (2018)۔ The State of the Economy: China-Pakistan Economic Corridor۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.sjbipp.org/publications/AR/reports/AR-10-17.pdf
14 سپرا، 9
15 کیتھ بریڈشر (2018)۔ China starts tapping brakes on global push for influence۔ نیویارک ٹائمز، صفحہ B1 اور B2۔

کے لئے موزوں اراضی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

پاکستان اگر اپنی ترقیاتی حکمت عملی کو 'بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹیو' کے ساتھ جوڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بیجنگ حکومت کا حوصلہ بڑھے گا کہ وہ اپنے اس پروگرام کو تیزی سے آگے بڑھائے۔ مغربی میڈیا کی بعض خبروں کے مطابق 'چین جہاں اپنا عالمی اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے تقریباً پانچ سال سے پورے ایشیا، مشرقی یورپ اور افریقہ میں بڑے منصوبوں کے لئے فنڈز کی فراہمی پر کھربوں ڈالر لگاتا چلا آرہا ہے وہیں بیجنگ حکومت کی رفتار اب دھیمی پڑنے لگی ہے'۔ [15] یہ معاملہ ہے تو اسلام آباد حکومت اگر درست اقدامات کرتی ہے اور پائیدار اور سب کی شمولیت پر مبنی ترقی کے مقصد کے تحت افزائش کی نئی حکمت عملی سامنے لے آتی ہے تو چین پاکستان اقتصادی راہداری جس کے تحت متعدد شعبوں میں ترقی کا کام جاری ہے، پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

15 کیتھ بریڈشر (2018)۔ China starts tapping brakes on global push for influence۔ نیویارک ٹائمز، صفحہ B1 اور B2۔

ڈاکٹر شہباز خان

مینجنگ ڈائریکٹر

خیبر پختونخواہ انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ (کے پی آئی ٹی بی)

مکرر ارشاد

"....ڈیجیٹل لٹریسی، ڈیجیٹل شعبے سے فائدہ اٹھانے کا واحد راستہ ہے اور اس کی جانب پہلا قدم بڑھاتے ہوئے آپ ڈیجیٹل مہارتوں میں پائی جانے والی کمی کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر ان مہارتوں کو پھیلانے کا مکمل منصوبہ تیار کرتے ہیں۔"

آپ کی رائے میں کیا ٹیکنالوجی نئی راہیں کھولتی ہے یا انہیں مسدود کرتی ہے؟

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی نئی راہیں کھولتی ہے لیکن اس کے لئے بعض بنیادی شرائط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ ڈیجیٹل لٹریسی (Digital Literacy) ڈیجیٹل شعبے سے فائدہ اٹھانے کا واحد راستہ ہے اور اس کی جانب پہلا قدم بڑھاتے ہوئے آپ ڈیجیٹل مہارتوں میں پائی جانے والی کمی کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر ان مہارتوں کو پھیلانے کا مکمل منصوبہ تیار کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو اس حد تک ہنرمند اور بااختیار ضرور ہونا چاہئے کہ وہ موزوں ترین ڈیجیٹل مہارتوں کے بارے میں فیصلہ کرکے افزائش کی راہ پیدا کرسکیں اور ان دو پہلوؤں کے درمیان عمدہ توازن پیدا کرسکیں کہ ایک طرف آج دستیاب اور ثابت شدہ صلاحیتوں پر سرمایہ کاری کریں اور دوسری جانب یہ پیش بینی کرنے کی کوشش کریں کہ اس کے بعد کیا آنے والا ہے۔

یہ مہارتیں ڈیجیٹل معیشت میں وسعت پیدا کرنے کی کئی راہیں کھولتی ہیں۔ ڈیجیٹل مہارتوں سے متعلق اپنے پروگرام سے ہمیں پتہ چلا کہ ہمارا صوبہ ہر سال اوسطاً انفارمیشن ٹیکنالوجی کے چھ ہزار گریجویٹس پیدا کرتا ہے اور ان کے لئے دستیاب روایتی ملازمتوں کے مواقع کی تعداد صرف دو ہزار ہے۔ اس عدم توازن کو دور کرنے کے لئے اشد ضروری تھا کہ ہم کوئی نیا اور انوکھا کام کریں اور 'فری لانس مارکیٹ' (Freelance Market) کو بروئے کار لائیں۔ ان پلیٹ فارمز سے شائع ہونے والی رپورٹوں سے وہ مہارتیں سامنے آئیں جن کی مانگ گزشتہ سال کے دوران زیادہ رہی۔ ان مہارتوں کو کے پی آئی ٹی بی کے ڈیجیٹل مہارتوں کے پروگرام میں شامل کیا گیا اور تربیتی ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے صوبے کے چالیس ہزار برسر روزگار اور بیروزگار نوجوانوں کو باقاعدہ کمرہ جماعت میں ان کی تربیت فراہم کی۔ اب تک ہم تقریباً دس ہزار نوجوانوں کو تربیت دے چکے ہیں اور 35 ہزار سے زائد درخواستوں پر تا حال جواب نہیں دیا گیا۔ اس سے ڈیجیٹل مہارتوں میں نوجوانوں کی دلچسپی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے حالانکہ ان کا تعلق صوبے کے انتہائی دورافتادہ علاقوں سے ہے۔ اس طرح ٹیکنالوجی کے ذریعے ترقی وافزائش کی نئی راہیں کھل رہی ہیں۔

آپ کے خیال میں پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے کون کون سے محرکین اور مواقع موجود ہیں؟

آپس میں جڑے 'سمارٹ' معاشروں کے اس دور میں ڈیجیٹل انقلاب ان کلیدی حکمت عملیوں میں سے ایک ہے جسے اپنا کر حکومتیں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کو فروغ دے رہی ہیں۔ الگ الگ ٹکڑوں میں کام کرنے سے ڈیجیٹل انقلاب نہیں آتا بلکہ اس کے لئے اداروں کی سطح پر کئی متعلقہ فریقوں کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے اور تب جا کر باہمی شمولیت پر مبنی افزائش کی راہ کھلتی ہے۔ کے پی آئی ٹی بی اپنے پروگراموں کے ذریعے اس مقصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہے جن کے تحت چار مرکزی شعبوں پر توجہ دی جارہی ہے: ڈیجیٹل گورننس (Digital Govrnance)، ڈیجیٹل معیشت (Digital Economy)، ڈیجیٹل مہارتیں (Digital Skills) اور ڈیجیٹل رسائی (Digital Access)۔

ڈیجیٹل گورننس ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاتے ہوئے آٹومیشن (Automation) کے ذریعے حکومتی اداروں اور ان کی سرگرمیوں کو زیادہ شفاف اور فعال بنانے کے لئے کام کرتی ہے۔ ڈیجیٹل معیشت محروم طبقات کو ڈیجیٹل شعبے کے ثمرات سے مستفید ہونے کے قابل بناتی ہے اور انٹرپرینیورز (Entrepreneurs) کی مدد کرتی ہے۔ ڈیجیٹل مہارتوں کا مقصد نوجوانوں کو مستقبل کی مہارتوں سے لیس کرنا ہے تاکہ وہ ڈیجیٹل انقلاب کا حصہ بن سکیں۔ ڈیجیٹل رسائی صوبے میں رابطے کی قابل اعتبار اور باکفایت سہولتوں کی فراہمی کے لئے بنیادی ڈھانچے کا دائرہ وسیع کرنے کی راہیں ہموار کر رہی ہے۔

خیبر پختونخواہ کی ڈیجیٹل حکمت عملی کے یہ چار بنیادی ستون اس ادراک پر مبنی ہیں کہ جن شعبوں میں کمی پائی جاتی ہے ان کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے، متعلقہ فریقوں کو ساتھ ملایا جائے، ماہرین کے مشاورتی گروپوں کی رائے لی جائے اور دستیاب ڈیٹا کا تجزیہ کر کے موثر، کامیاب اور پائیدار ڈیجیٹل انقلاب کو ممکن بنایا جائے۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش اور پائیدار ترقی کے فروغ میں نجی شعبہ کس طرح زیادہ فعال بن سکتا ہے؟

نجی شعبہ واقعی افزائش کا ایک بڑا محرک ہے۔ روزگار کے مواقع پیدا کرنے میں نجی شعبے کے کردار سے انکار ممکن نہیں جس کی بدولت سب کی شمولیت پر مبنی پائیدار ترقی کے فروغ میں اس کا کلیدی کردار مزید مستحکم ہوجاتا ہے۔ تاہم یہ انقلاب تبھی ممکن ہے کہ مختلف متعلقہ فریق ایک پلیٹ فارم سے مل کر کام کریں۔ مثال کے طور پر تعداد اور استعداد دونوں اعتبار سے نوجوان بے پناہ صلاحیتیں رکھتے ہیں لہٰذا اگر انہیں مناسب طریقے سے کام میں لایا جائے تو وہ عظیم ترین اثاثہ ثابت ہوسکتے ہیں۔

کے پی آئی ٹی بی، پاکستان کا پہلا ''ڈیجیٹل سٹی'' بھی قائم کر رہا ہے جو نجی شعبے کو صوبے میں سرمایہ کاری کے لئے مکمل طور پر انفارمیشن ٹیکنالوجی پر مبنی ماحول فراہم کرے گا اور ٹیکنالوجی سے متعلق تمام کاروباری سرگرمیوں کے لئے مرکز کا کردار ادا کرے گا۔

ملک کو معاشی خوشحالی اور افزائش کی راہ پر ڈالنے کے لئے کن غریب حامی عوامی پالیسیوں کی ضرورت ہے؟

کے پی آئی ٹی بی کی موجودہ سرگرمیاں پائیدار ترقی کے 17 میں سے 11 مقاصد سے ہم آہنگ ہیں۔ دوسرے اداروں کے برعکس یہ ادارہ ہر ضلع میں بالکل نچلی سطح پر موجود ہے۔ ہمارے پروگرام اس طرح وضع کئے گئے ہیں کہ یہ معاشرے کے محروم طبقات کی محرومیاں ختم کرنے میں مدد دیں اور اقلیتی طبقات کو اس عمل کا حصہ بنائیں۔ صوبائی حکومت کے ادارے چونکہ زمینی حقائق کا بہتر علم رکھتے ہیں اس لئے وفاقی حکومت کو چاہئے کہ وہ متعلقہ صوبائی حکومتوں کو بااختیار بنائے اور عوامی امور میں انہیں خودمختاری دے۔

افزائش کے رجحانات بہتر بنانے اور سب کی شمولیت میں مزید اضافہ کے لئے ہمارا ملک کون سے قومی یا بین الاقوامی ماڈلز کو اپنا سکتا ہے؟

ایک طریقہ ہر جگہ نہیں چلتا۔ ڈیجیٹل انقلاب صحیح معنوں میں برپا ہو جائے تو یہ سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے ساتھ ساتھ سب کو مالی سہولتوں کے دائرے میں لانے کی راہیں بھی کھل جاتی ہیں۔ ہماری توجہ قومی سطح پر ڈیجیٹل ادائیگیاں ممکن بنانے پر مرکوز ہے جس سے سب کو مالی سہولیات کے دائرے میں لانے کی لاتعداد راہیں کھل سکتی ہیں جس کی بہترین مثال چین اور یورپی یونین کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اگر ہم ڈیجیٹل گورننس کی بات کریں تو اسٹونیا سرفہرست دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ڈیجیٹل گورننس ماڈل نے شاندار کامیابیاں دکھائی ہیں اور ہمارے ملک میں قومی سطح پر اپنانے کے لئے ایک اچھی مثال ثابت ہوسکتا ہے۔

ڈیجیٹل مہارتوں کے ذریعے ڈیجیٹل تقسیم ختم کرنے کی ہماری جدوجہد معاشرے کے تمام طبقات کو ساتھ ملاتی ہے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتی ہے اور سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہے۔ فرد کی پائیداری وقت کے ساتھ کمیونٹی اور پھر پوری قوم کی پائیداری کی راہ ہموار کرے گی اور یہی ہماری ترجیح ہے۔

مکرر ارشاد

"....سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے سب سے اہم شعبہ جس میں اقدامات ہونے چاہئیں، ہدف پر مبنی غربت میں کمی کی پالیسی ہے۔"

شاندانہ ہمایوں خان

چیف ایگزیکٹو آفیسر
رورل سپورٹ پروگرامز نیٹ ورک (آر ایس پی این)

آپ کے خیال میں پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے کون کون سے محرکین اور مواقع موجود ہیں؟

تبدیلی کے اصل محرک تو اس ملک کے لوگ ہیں لیکن تبدیلی تبھی آ سکتی ہے جب اس کے لئے اجتماعی کوشش کی جائے۔ یہی وہ مرکزی تصور ہے جس پر آر ایس پی این بھی عمل پیرا ہے یعنی لوگوں کو فعال بنایا جائے اور ان کی تنظیم کی جائے۔ ہم لوگوں کو گاؤں کی سطح پر فعال کرتے ہیں اور اداروں کو اوپر لا کر اکٹھا کرتے ہیں۔ اور یہ ادارے ہی ہیں جنہیں ہم مقامی حکومت کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تاکہ غریب لوگوں کو خدمات تک رسائی میسر ہو اور اداروں کو زیادہ قابل احتساب بنایا جا سکے۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے سب سے اہم شعبہ جس میں اقدامات ہونے چاہئیں، ہدف پر مبنی غربت میں کمی کی پالیسی ہے۔ ہم نے سندھ اور خیبر پختونخواہ حکومتوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے اور سندھ میں خاص طور پر کامیابی بھی ملی ہے۔ اس میں حکومت کی اس پالیسی پر کام بھی شامل ہے کہ کمیونٹی ادارے باقاعدہ نظام کے طور پر مقامی حکومتوں کے ساتھ کام کریں۔ یہ ان کمیونیٹیز اور حکومت کے لئے ایک بڑا اقدام ہے۔ اور یہ سب کچھ راتوں رات نہیں ہوا، ہمارے رورل سپورٹ پروگرامز گزشتہ تیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی طرح کی افزائش کے لئے بنیادی محرک اس طرح کے فورم ہیں جن کے ذریعے حکومت کو کچھ کر دکھانے کا موقع ملے اور بنیادی خدمات کی فراہمی بہتر بنانے میں مدد ملے۔

اس طرح کی عوامی تنظیموں کی ایک اچھی بات یہ ہے کہ ان میں چیک اینڈ بیلنس ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں آڈٹ اور احتساب کے باقاعدہ نظام بھی موجود ہیں لیکن احتساب کا سب سے بڑا آلہ کار بذات خود لوگ ہیں تمام مالی معاملات بھی پورے ایک گروپ کی شکل میں نمٹائے جاتے ہیں اس لئے کرپشن اور مالی خرد برد کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

صنفی لحاظ سے سب کی شمولیت بھی یکساں افزائش کا ایک لازمی جزو ہے۔ آر ایس پی این اسے بہت سنجیدگی سے لیتی ہے اور خواتین کو کمیونٹی کے ان تمام اداروں اور تنظیموں میں شامل کرنے کی دانستہ کوشش کی جاتی ہے۔

اداروں اور مروجہ طریقوں کے اعتبار سے وہ کون سے مسائل یا رکاوٹیں ہیں جو پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش میں دشواری پیدا کرتے ہیں؟ ان پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے؟

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو سیاسی عزم سب سے بڑا چیلنج ہے۔ پختہ سیاسی وابستگی ان پروگراموں کو میکرو سطح پر لے کر جانے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ مقامی حکومت غربت کی پست ترین سطح تک نہیں جاتی لہٰذا ان حالات میں یہ ضمنی ڈھانچے ہی حکومت کی مدد کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حکومت بھی اس کے لئے پرعزم ہو۔ ایک اور چیلنج مالی وسائل کا ہے۔ مقامی حکومتوں کے پاس خاطر خواہ ترقیاتی بجٹ نہیں ہوتے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ لوگوں کے عطیات ان اقدامات کی پائیداری میں بہت مدد دیتے ہیں جن میں پھر حکومت بھی اپنا حصہ ملاتی ہے۔

مالی پائیداری بھی کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقامی معاون تنظیمیں اپنی پائیداری کس طرح یقینی بنائیں؟ اس سلسلے میں ہمارا ایک پروگرام 'کمیونٹی گرانٹ فنڈ'، جو ایل ایس او کو گرانٹ دیتا ہے، آپریشنل اخراجات پورے کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ بعض علاقوں میں لوگ اپنی جیب سے معمولی رکنیت فیس دے رہے ہیں اور اس طرح وہ بھی ان مقاصد کی مدد میں آگے آ رہے ہیں۔ لہٰذا بنیادی طور پر آر ایس پی این کمیونٹی اداروں کی تعمیر کر رہی ہے اور ہمارا اصل چیلنج ان کی مالی پائیداری یقینی بنانا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ ان گردشی فنڈز کی بدولت، ارکان کے عطیات کی بدولت، مقامی حکومت اور دیگر اداروں کے ساتھ روابط کی بدولت ان میں سے کئی تنظیمیں پائیداری حاصل کر لیتی ہیں۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش اور پائیدار ترقی کے فروغ میں نجی شعبہ کس طرح زیادہ فعال بن سکتا ہے؟

اس ضمن میں ایک ماڈل جو کامیاب رہا ہے، وہ مائیکرو سطح کی تنظیموں اور اداروں پر کمیونیٹیز کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ اس پورے ماڈل میں وسیع تر نجی شعبہ بہت اہم ہے۔ یہ لوگ ان کمیونیٹیز میں کام کر سکتے ہیں۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ اگر لوگوں کو اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ کے قابل بنانا ہے تو ان کی پائیداری یقینی بنانا ہوگی۔ سرمائے تک رسائی بھی ایک ایسا شعبہ ہے جس میں نجی شعبہ پہلے سے کام کر رہا ہے۔ نیشنل رورل سپورٹ پروگرام نے اس میدان میں بھی کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

ملک کو معاشی خوشحالی اور افزائش کی راہ پر ڈالنے کے لئے کن غریب حامی عوامی پالیسیوں کی ضرورت ہے؟

حکومت کو ایسے تمام اداروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے جو لوگوں کو بنیادی خدمات فراہم کر رہے ہیں۔ ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ ہمارے ملک میں کسی ترقی یافتہ ملک کی طرح کام ہونے لگیں کیونکہ اصل محرکین یکسر مختلف ہیں۔ کمیونٹی اور حکومت دونوں کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد پالیسیاں آ جاتی ہیں۔ بھارت کی مثال کو لے لیں، اس نے ہمارے ہی ماڈل کو قومی سطح کی پالیسی کی شکل دے دی ہے۔

افزائش کے رجحانات بہتر بنانے اور سب کی شمولیت میں مزید اضافہ کے لئے ہمارا ملک کون سے قومی یا بین الاقوامی ماڈلز کو اپنا سکتا ہے؟

ہمارے پاس ایک بہت اچھا ماڈل ہے۔ سارک کے پانچ ممالک ہمارے اس ماڈل سے کافی کچھ سیکھ چکے ہیں۔ مختلف حوالوں سے کئی طرح کی جانچ پرکھ ہو چکی ہے۔ بھارت نے اسے اپنی پالیسی کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس ماڈل کا ایک اہم پہلو وہ نوجوان ہیں جو ہمارے ساتھ کام کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ماڈل مقامی حالات کو پیش نظر رکھتا ہے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک شاندار ماڈل ہے جسے آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہتری کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے لیکن ہمیں اس ماڈل کو توسیع دینی چاہئے اور اسے پورے ملک میں اپنانا چاہئے۔

ندیم جاوید

سابقہ چیف اکانومسٹ

وزارت منصوبہ بندی، ترقی واصلاحات

مکرر ارشاد

"…. اگر پاکستان نے سب کی شمولیت پر مبنی شرح افزائش بہتر بنانی ہے تو دیہی علاقوں کی بہتری پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔"

آپ کے خیال میں پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے کون کون سے محرکین اور مواقع موجود ہیں؟

ورلڈ اکنامک فورم نے گزشتہ سال تسلیم کیا ہے کہ پاکستان میں افزائش سب کی شمولیت پر مبنی ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران ملک کی معاشی شرح افزائش کی بدولت غربت کے اعتبار سے صورتحال میں بہتری آئی ہے جو 29.5 فیصد سے 24 فیصد ہوگئی ہے۔

تاہم مسئلہ سب کی شمولیت کا نہیں ہے۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ جس کی شرح 2.4 فیصد ہے، معاشی افزائش کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے۔ افزائش آبادی کی اس شرح کے ساتھ معیار زندگی میں بہتری کسی ملک میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ بہرحال پاکستان کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ معاشی افزائش اگرچہ 2008 کے بعد کی تاریخی کارکردگی سے کم رہی ہے لیکن گنی کو ایفیشنٹ (Gini Coefficient) کے مطابق تقسیم کے بہتر نظام کی بدولت یہ زیادہ شمولیت پر مبنی ہے۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) اس سلسلے میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے جس کا بجٹ حکومت نے 13-2012 کے 47 ارب روپے سے بڑھا کر 18-2017 میں 121 ارب روپے کر دیا ہے۔ اسی طرح اس پروگرام سے مستفید ہونے والوں کی تعداد ایک دہائی میں 1.8 ملین سے بڑھ کر 5.6 ملین افراد تک پہنچ گئی ہے۔

تاہم اس افزائش کو مزید شمولیت پر مبنی بنانے کی ضرورت ہے۔ میرا پختہ یقین ہے کہ زرعی شعبے پر توجہ مرکوز کر کے اسے بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ کسانوں کے لئے تجارتی شرائط بہتر بنائے بغیر سب کی شمولیت پر مبنی بھرپور افزائش کا حصول ممکن نہیں۔

اسی طرح دیہی اور شہری علاقوں کے لئے مختلف اقدامات کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر پاکستان نے سب کی شمولیت پر مبنی شرح افزائش بہتر بنانی ہے تو دیہی علاقوں کی بہتری پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ آبادی کی اکثریت ان علاقوں میں مقیم ہے اور دیہی کاروباری سرگرمیاں (مثلاً گھریلو صنعتیں) ہمارے معاشی منظرنامے سے بالکل غائب ہیں۔ ان دیہی مراکز کو 'سپلائی چین مینجمنٹ' کے ساتھ بہتر روابط کے ذریعے شہری یا نیم شہری علاقوں کے ساتھ جوڑنے سے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جاسکتا ہے جو ان دیہی کاروباری سرگرمیوں کے لئے سازگار ہو۔

سوشل سیفٹی نیٹ اس کا ایک اہم پہلو ہیں۔ جو لوگ خط غربت پر زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کسی غیر متوقع دھچکے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسی صورتحال میں نقد رقوم کی فراہمی وغیرہ جیسے طریقے کارگر ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس مسئلے کا حل سوشل سیفٹی نیٹ ہیں۔ کسی بھی غیر متوقع اور افسوس ناک حالات میں یہ ایک سہارے کا کام دیتے ہیں۔ سوشل سیفٹی نیٹ کی ان مثالوں میں وزیراعظم کا ہیلتھ انشورنس پروگرام اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے شروع کئے گئے اس طرح کے بعض پروگرام شامل ہیں۔

میں اسی بات پر زور دوں گا کہ کمزور طبقات کی مہارتوں اور استعداد میں بہتری لا کر انہیں مستعد اور خودکفیل بنانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ وزیراعظم کا ہنرمند پاکستان پروگرام، متعدد انٹرن شپ پروگرام اور بلاسود قرض سکیمیں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے اہم اقدامات ہیں۔ ان کوششوں کا اعتراف اور پذیرائی ہونی چاہئے۔ استحکام پیدا کرنے والے باقاعدہ اقدامات کی غیر موجودگی میں اس طرح کے پروگرام اور سوشل سیفٹی نیٹ سب کی شمولیت پر مبنی، وسیع البنیاد افزائش کے لئے معاون طریقوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

سرمائے تک رسائی سب کی شمولیت پر مبنی افزائش بہتر بنانے کا ایک اور اہم پہلو ہے۔ اگرچہ موبائل فون اور انٹرنیٹ کی موجودگی کے علاوہ رقوم کی آسان منتقلی کی سہولیات اور بغیر برانچ کی بینکاری سہولتیں زور پکڑ رہی ہیں لیکن اس منتقلی اور لین دین کے اخراجات بلند ہیں۔ سب کی مالی شمولیت کے ان طریقوں کو مزید مستحکم بنانے کی ضرورت ہے اور حکومت مرکزی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ساتھ مل کر اس حوالے سے پہلے ہی کام کر رہی ہے۔

اداروں اور مروجہ طریقوں کے اعتبار سے وہ کون سے مسائل یا رکاوٹیں ہیں جو پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش میں دشواری پیدا کرتے ہیں؟ ان پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے؟

جہاں تک مالیاتی پالیسیوں کا تعلق ہے تو تقسیم نو کے نظاموں کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ بی آئی ایس پی اچھے طریقے سے کام کر رہا ہے لیکن یہ صرف معاشرے کے ایک چھوٹے سے طبقے کی ضرورتیں پوری کر رہا ہے۔ معاشی سرگرمی میں لاتعداد لوگ حصہ لیتے ہیں لیکن وہ سب موثر حد تک برسر روزگار نہیں ہوتے جسے 'بناوٹی روزگار' کا نام دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس عدم توازن کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

منصوبہ سازی اور عملدرآمد کے درمیان خاص طور پر قدرے نرم اقدامات کے معاملے میں وسیع خلاء پایا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا چیلنج ہے کیونکہ عملدرآمد کرنے والے ادارے یا کرداران اقدامات کی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتے۔

شفافیت بھی ایک چیلنج ہے۔ شفافیت مستحکم بنانے کے نظاموں کی اشد ضرورت ہے اور باقاعدگی سے احتساب اور آڈٹ کے ذریعے ان کی مسلسل نگرانی بھی اہم ہے۔

آخری اور سب سے اہم بات، حقوق کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ افرادی قوت کا ایک بڑا حصہ غیر رسمی شعبے میں کام کر رہا ہے اس بناء پر حقوق کی خلاف ورزی آسان ہے۔ لہٰذا مناسب آگاہی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے تاکہ سب کی شمولیت کو صحیح معنوں میں عملی شکل دی جاسکے۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش اور پائیدار ترقی کے فروغ میں نجی شعبہ کس طرح زیادہ فعال بن سکتا ہے؟

روزگار کے مواقع صرف نجی شعبے میں ہی پیدا کئے جاسکتے ہیں کیونکہ سرکاری شعبہ گزشتہ چند دہائیوں سے کفایت

شعاری کی مہم پر چل رہا ہے۔صنعتی عمل کی بدولت نجی شعبے کو اس میں ساتھ ملانے کا ایک موقع پیدا ہو جاتا ہے۔

مالی وسائل کی فراہمی نجی شعبے کا کام نہیں ہے۔تاہم پھر بھی وہ اس طرح کے اقدامات وضع کر سکتا ہے مثلاً دور دراز علاقوں کے نوجوانوں کے لئے انٹرن شپ کے مواقع یا پیشہ ورانہ تربیت کے اداروں کے ساتھ اشتراک عمل وغیرہ۔نجی شعبہ 'انٹر پیر ینیور شپ' (Entrepreneurship) کا ماحول بہتر بنانے میں مدد دے سکتا ہے اور تبدیلی کے لئے مہمیز کا کردار ادا کر سکتا ہے۔نجی شعبہ اپنے سماجی ذمہ داری پروگراموں کے تحت آگاہی پیدا کرنے اور نوجوانوں کو روزگار کے قابل بنانے کے لئے تربیتی سرگرمیوں میں بھی نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے۔تاہم یہ کوئی یکطرفہ عمل نہیں ہے۔حکومت کو بھی چاہیئے کہ ایک طرف وہ نجی شعبے کی ان کاوشوں کا اعتراف کرے اور دوسری جانب معیشت میں اس طرح کی سرگرمیوں پر کام کرنے والوں کو ٹیکس کریڈٹ وغیرہ جیسی مراعات دے۔

ملک کو معاشی خوشحالی اور افزائش کی راہ پر ڈالنے کے لئے کن غریب حامی عوامی پالیسیوں کی ضرورت ہے؟

اس کے لئے آپ کو پہیہ دوبارہ سے ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔چیزیں اپنی جگہ پہلے سے موجود ہیں البتہ موزوں عملدرآمد کے لئے کوششوں کے ساتھ ساتھ سرکاری اخراجات کی عمدگی اور افادیت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔وقت کے ساتھ غربت میں کمی آرہی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ملک صحیح راہ پر چل رہا ہے۔

آگے کی طرف بڑھیں تو مسئلہ یہ ہے کہ افزائش واقعی ہو رہی ہے اور سب کی شمولیت پر مبنی بھی ہے لیکن عدم مساوات بھی بڑھ رہی ہے۔صوبوں کے درمیان فرق اور عدم مساوات کو دور کرنے کے لئے موافق پالیسیوں کی ضرورت ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ ان تبدیلیوں کو زور پکڑنے اور نتائج دکھانے میں وقت لگے گا۔

افزائش کے رجحانات بہتر بنانے اور سب کی شمولیت میں مزید اضافہ کے لئے ہمارا ملک کون سے قومی یا بین الاقوامی ماڈلز کو اپنا سکتا ہے؟

ہمیں اپنے ملک میں پائے جانے والے تنوع کی پذیرائی کرنی چاہیئے۔ہر صوبے کی اپنی اپنی نزاکتیں ہیں لہذا ایک یکساں پالیسی ہر صوبے یا ضلع کے لئے موزوں نہیں ہو سکتی۔ایسی صورتحال میں ایک ہی ماڈل کو ہر علاقے کی ضروریات کے مطابق ڈھال کر اس پر چلنا آگے بڑھنے کا اچھا طریقہ ہوگا۔دیہی کاروباری سرگرمیوں کو خاص طور پر پالیسی منصوبہ سازی اور ترقی کے عمل کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔

ایک بات طے ہے کہ پاکستان کے جو حالات ہیں ان میں کچھ بھی کرتے ہوئے اصل توجہ سوشل سیفٹی نیٹ، تعلیم اور صحت وغذائیت پر مرکوز کرنا ہوگی۔پالیسی جواب اس طرح تیار کیا جائے کہ ان اصل شعبوں کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

مکرر ارشاد

"....عملدرآمد کے منصوبے طے شدہ مدت کے پابند ہونے چاہئیں جن میں کارکردگی کو کنٹرول کرنے اور اس کی پیمائش کے معیارات پہلے سے موجود ہوں۔"

طاہرہ رضا
سابقہ صدر
فرسٹ ویمن بینک

آپ کے خیال میں پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے لئے کون کون سے محرکین اور مواقع موجود ہیں؟

امتیاز، پائیدار ترقی کا بدترین دشمن ہے۔ پائیدار افزائش کا اصل محرک یہی ہے کہ یہ سب کی شمولیت پر مبنی ہو۔ منطقی اور انصاف پسند سوچ جو پوری آبادی کی برابری اور مساوات پر یقین رکھتی ہو، پائیدار افزائش کے لئے ناگزیر ہے۔ کام کرنے کے قابل بالغ آبادی کے زیادہ سے زیادہ افراد بالخصوص خواتین جو افرادی قوت سے باہر رکھا جانے والا آبادی کا سب سے بڑا طبقہ ہیں، کی شمولیت پائیدار ترقی کا بنیادی محرک ہے۔ پاکستان کے پاس ایک بہت بڑا 'ہجوم نوجواناں' موجود ہے، جو بذات خود ایک بڑا موقع ہے۔ پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کو قومی سطح پر اپنانا درست سمت کی وعید ہے۔

خواتین کی مالی شمولیت اور بااختیار حیثیت کے حوالے سے حکومت اور ریگولیٹرز نے قومی سطح پر متعدد اقدامات کئے ہیں۔ اس بارے میں آگاہی اب مقبولیت اختیار کر رہی ہے کہ فیصلہ سازی میں خواتین کی شمولیت کمرشل اور معاشی اعتبار سے افادیت کی حامل ہے۔ خواتین اور دیگر محروم طبقات کو مواقع فراہم کرنے کے لئے یہ ایک بڑی رعایت کا کام دیتی ہے۔ تاہم پلاننگ ڈویژنوں میں الگ ایس ڈی جی یونٹ قائم ہونے کے باوجود عملدرآمد کے نظاموں کی ظاہری موجودگی ابھی بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

اداروں اور مروجہ طریقوں کے اعتبار سے وہ کون سے مسائل یا رکاوٹیں ہیں جو پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش میں دشواری پیدا کرتے ہیں؟ ان پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے؟

جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے تو سازگار ماحول یا تو موجود نہیں ہے یا پھر پوری طرح سازگار نہیں ہے، مقاصد پوری طرح واضح نہیں ہیں، طے شدہ پالیسیوں اور پالیسی پر عملدرآمد کے لئے مرحلہ وار اور واضح رہنما اصولوں کی کمی ہے۔ ہر متعلقہ فریق کے کردار اور ذمہ داریوں کی وضاحت کے علاوہ قابل نفاذ حیثیت یقینی بنانے کے لئے نگرانی اور عملدرآمد کے طے شدہ کنٹرولز بھی ایک بنیادی شرط ہیں۔

قومی، صوبائی، ضلعی، ٹاؤن اور یونین کونسل کی سطح پر آبادی کے مختلف طبقات کے بارے میں متعدد پہلوؤں سے متعلق تحقیقی سرگرمیاں اور ڈیٹا کی موجودگی ضروری ہے۔ اس ڈیٹا کو استعمال کرتے ہوئے قلیل اور طویل مدتی دونوں مقاصد طے کئے جائیں اور ترجیحات کا تعین کیا جائے۔

پالیسی پر عملدرآمد کے لئے بجٹ مختص کرنے اور مرحلہ وار رہنما اصول وضع کرنے سے ہمیں آگے بڑھنے کی راہ ملتی ہے۔ عملدرآمد کے منصوبے طے شدہ مدت کے پابند ہونے چاہئیں جن میں کارکردگی کو کنٹرول کرنے اور اس کی پیمائش کے معیارات پہلے سے موجود ہوں۔ پالیسی کا نفاذ بہتر بنانے کے لئے ضرورت پڑے تو قانون سازی کے ذریعے اس میں تبدیلیاں لائی جائیں۔

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش اور پائیدار ترقی کے فروغ میں نجی شعبہ کس طرح زیادہ فعال بن سکتا ہے؟

نجی شعبے کا کردار بہتر شمولیت پر مبنی بنایا جاسکتا ہے اور اس میں اضافے کے لئے نجی شعبے کو انتخاب کا موقع دیا جاسکتا ہے کہ وہ پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد میں سے کسی ایک یا زائد مقاصد کو اپنا لے اور اس کے مطابق طے شدہ اہداف حاصل کرنے کے لئے جدت آمیز پروگرام وضع کرے۔ پراجیکٹ اگر ایسا ہو کہ اس کا پیمانہ وسیع کیا جاسکے یا دوسری جگہوں پر بھی اپنایا جاسکے تو نجی شعبے کو اس کی طرف مائل کرنے کے لئے ٹیکس مراعات بھی دی جاسکتی ہیں۔ اس کام کے لئے تو ہمیں الگ بجٹ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی کیونکہ ٹیکس چھوٹ کے مالی اثرات کو براہ راست سماجی یا ترقیاتی اقدامات کے لئے مختص ترقیاتی فنڈز سے پورا کیا جاسکتا ہے۔

ملک کو معاشی خوشحالی اور افزائش کی راہ پر ڈالنے کے لئے کن غریب حامی عوامی پالیسیوں کی ضرورت ہے؟

کم سے کم اجرت کے علاوہ آجر پر تعلیم، صحت اور استعداد میں بہتری کے لئے تربیتی سرگرمیوں کی ذمہ داری عائد کی جائے۔ جو ادارے ان پروگراموں پر مخلصانہ اور کامیاب طریقے سے عملدرآمد کریں ان کی خدمات کا قومی سطح پر اعتراف کیا جائے اور انہیں شہری ایوارڈ بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ اس سے ٹیکسوں پر چھوٹ کے مواقع بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

فلاحی تنظیموں کو بھی اسی پالیسی کے تحت لایا جائے اور انہیں مقاصد کے انتخاب کی پوری آزادی دی جائے لیکن اس میں وہ طے شدہ عالمی معیارات پر عمل کرنے کی پابند ہوں۔

افزائش کے رجحانات بہتر بنانے اور سب کی شمولیت میں مزید اضافہ کے لئے ہمارا ملک کون سے قومی یا بین الاقوامی ماڈلز کو اپنا سکتا ہے؟

میری رائے میں ملائشیا، سری لنکا، بنگلہ دیش، بھارت وغیرہ نے آمدنی کی تقسیم میں مساوات پیدا کرنے، تعلیم میں بہتری لانے، خواتین اور دیگر محروم طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے کے لئے حالیہ سالوں کے دوران اپنی افرادی قوت پر بے پناہ سرمایہ کاری کی ہے۔ اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر ترقی کے مختلف اشاریوں مثلاً خواتین کی شرح روزگار، جی ڈی پی کی شرح افزائش، فی کس آمدنی، بچوں کی شرح اموات وغیرہ میں بہتری آئی ہے۔

پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد سمیت ترقیاتی مقاصد کو سرکاری اور نجی شعبے کے اداروں کی کارکردگی کی پیمائش کے بنیادی اشاریوں میں شامل کیا جائے اور وہ جو نتائج یا اثرات دکھائیں انہیں شرح ٹیکس کے ساتھ جوڑا جائے۔ یہ ادارے ان مقاصد کو اپنی کارکردگی کے بنیادی اشاریوں کی شکل دیں۔ ان اشاریوں پر کارکردگی کی پیمائش کے معیارات ہر جگہ اور ہر شعبے میں یکساں ہونے چاہئیں جن کے مقاصد واضح اور قابل پیمائش ہوں۔

روایتی کرداروں میں خواتین کو معاونت فراہم کرنے والے پراجیکٹس مثلاً بچوں اور بزرگ افراد کے لئے ڈے کیئر سنٹرز کا قیام وغیرہ سے خواتین کے روزگار میں شاندار اضافہ ہوگا۔ اس طرح کے مراکز ایک طے شدہ چارٹر کے تحت کمرشل بنیادوں پر قائم کئے جائیں۔ کام کرنے کے اوقات میں نرمی اور گھر بیٹھ کر کام کرنے کے لئے قومی پالیسی تشکیل دی جائے۔

نوجوانوں کی آواز

حبا قاضی
25 سال

سکول کے دنوں سے ہی طلبہ میں انٹر پرینیورشپ کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ روزگار کے امیدواروں سے زیادہ روزگار فراہم کرنے والے پیدا ہوں اور ایک فعال معیشت کی تعمیر ہو۔

حیدر شہزاد
27 سال

پاکستان ایک زرعی معیشت ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ زرعی پیداواری صلاحیت بہتر بنانے کے لئے بنیادی ڈھانچے اور پیداواری طریقوں میں بہتری لائی جائے۔نوجوان کسانوں کو کاروبار کی ترقی اور مارکیٹنگ کی مہارتوں میں تربیت دی جائے۔

سلمان عارف
29 سال

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش محض یہی نہیں کہ آپ کی معیشت پھل پھول رہی ہو۔ یہ تو اصل منزل تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔اور منزل کا حصول تبھی ممکن ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات منصوبہ سازی میں حصہ لیں۔ان میں اقلیتیں، معذور افراد، خواتین اور نوجوان سب شامل ہیں۔

صائمہ یوسف
24 سال

جو ادارے اور نیٹ ورکس نوجوانوں کی قیادت میں کام کر رہے ہیں ان کی مدد کی جائے اور انہیں مستحکم بنایا جائے کیونکہ وہ نوجوانوں بالخصوص محروم طبقات کے نوجوانوں میں سماجی اور قائدانہ مہارتوں کی ترویج میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

فریدون گوگال
25 سال

جس قدر کوششوں کی ضرورت ہے ان کا احاطہ کرنے کے لئے سرکاری فنڈز ناکافی ہیں۔لہٰذا یہی وقت ہے کہ غیر سرکاری تنظیمیں، بڑے کاروباری ادارے اور سماجی فلاحی تنظیمیں وغیرہ نوجوانوں کو ساتھ ملانے اور انہیں روزگار کے قابل بنانے کی وسیع تر کوششوں میں اپنا حصہ ملائیں جس سے ایک ایسی متوازن معیشت وجود میں آئے جو پائیدار اور سب کی شمولیت پر مبنی ہو۔

دیار خان
23 سال

2030 تک پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے حصول اور غربت کو ختم کرنے کے لئے مختلف شعبوں میں عالمی اشتراک عمل ضروری ہے۔ ہر ملک میں ہمیں مل کر کام کرتے ہوئے ایسی معیشتوں کی تعمیر کرنا ہوگی جو ہر شخص کو ساتھ ملائیں اور ہر شخص کو فائدہ پہنچائیں، چاہے کوئی غریب ہو یا اقلیت، خواتین ہوں یا نوجوان۔

عمران خان
26 سال

حکومت کو چاہئے کہ وہ شہری اور دیہی علاقوں، جہاں زیادہ تر نوجوان رہتے ہیں اور کام کرتے ہیں، کے درمیان بڑھتے فرق کو دور کرنے کے جدت آمیز طریقوں پر کام کرے۔

اغالہ اسفند
20 سال

پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد ہماری اس دنیا کو بدلنے کا ایک عالمی ایجنڈا ہیں۔اس تبدیلی کو یقینی بنانے کے لئے حکومت کو چاہئے کہ ہزاریہ ترقیاتی مقاصد کے دور میں اپنائے گئے ان طریقوں پر نظر ثانی کرے جنہوں نے نوجوانوں کو اس عمل سے باہر رکھا۔

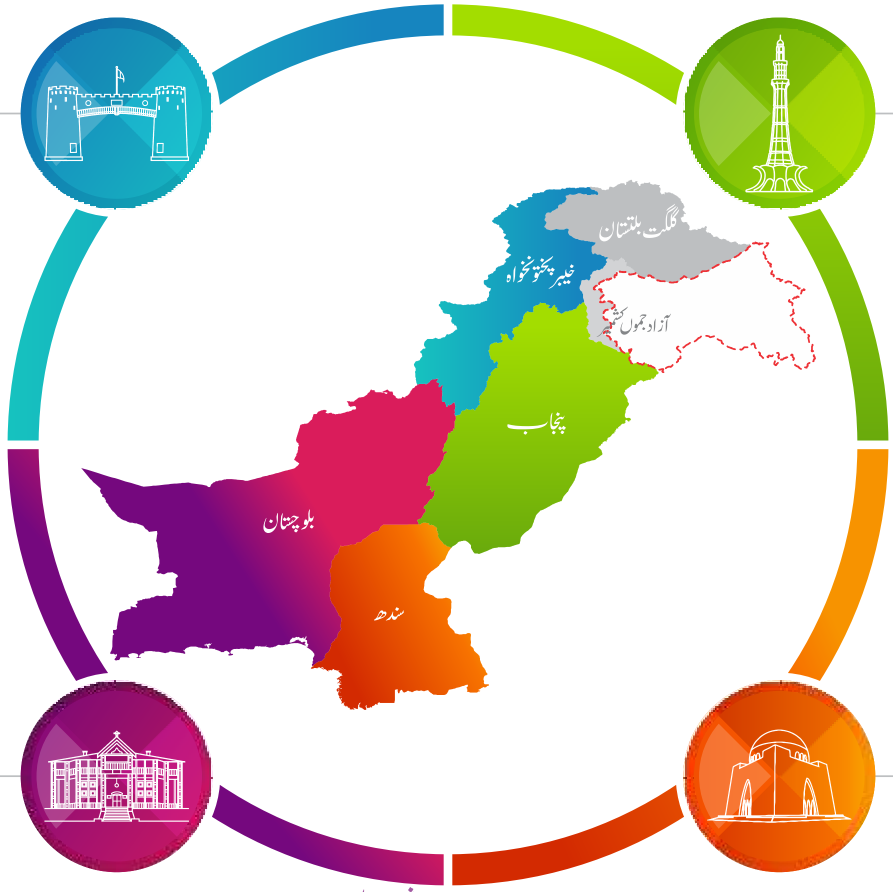

صفیہ ثناء اللہ
22 سال

پہلا قدم ان سرگرمیوں کی معاونت کرنے والے نظام کا قیام ہے جن سے انسانی سرمایہ ایک جگہ جمع ہو اور روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔

علینہ تقی
26 سال

نوجوان وہ قوت ہیں جو تبدیلی لاتے ہیں۔ وہ خود عمل کرنے اور دوسروں کو حرکت میں لانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دنیا بھر میں نوجوان سرگرم ہو رہے ہیں، جنہیں وسیع تر رابطوں اور سوشل میڈیا کی بدولت قوت مل رہی ہے۔ یہ لوگ ان ذرائع کو بروئے کار لا کر پائیدار ترقی کو فروغ دے سکتے ہیں۔

ماماں قادر
22 سال

سب کی شمولیت پر مبنی افزائش میں یہ بات مرکزی اہمیت کی حامل ہے کہ روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کوئی بھی اس عمل سے باہر نہ رہ جائے۔

خورشید زہیب
23 سال

ہر کوئی روزگار کے مواقع پیدا کرنے، گنجائش پیدا کرنے اور سب کی شمولیت کی بات کرتا ہے۔لیکن کوئی بھی اس بات کو یقینی نہیں بناتا کہ ان 'خیالی منصوبوں' کو پائیدار شکل ہی دے دی جائے! افزائش کے ایسے منصوبے بنائیں جو پائیدار ہوں، ایسے منصوبے نہیں جو آہستہ آہستہ ختم ہوتے وسائل پر چلیں۔

روشن سنبل
19 سال

سرمائے تک رسائی اور سماجی تحفظ وہ ناگزیر عناصر ہیں جو نوجوانوں اور خاص طور پر دیہی نوجوانوں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اپنا کاروبار کریں، نہ صرف زرعی شعبے میں بلکہ غیر زرعی شعبوں میں بھی چھوٹے اور درمیانے کاروباری ادارے بنائیں جن سے دیہی علاقوں کے نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا ہو سکیں۔

ہیبت اللہ
28 سال

غربت کو دور کرنے اور سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کو فروغ دینے کا ایک پائیدار اور طویل مدتی طریقہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو مختلف ہنر سکھائے جائیں۔ پیشہ ورانہ تربیت اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے کیونکہ یہ روزگار کمانے، دوسروں کی مدد کرنے اور یہاں تک کہ مستقبل کے لئے سرمایہ کاری کرنے کے بھی کام آتی ہے۔

عبیدہ ثانیہا
21 سال

اگر سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کو حقیقت کا روپ دینا ہے تو اس کی جانب ایک اہم ترین قدم یہ ہے کہ دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان خاص طور پر تعلیم کے بنیادی ڈھانچے اور تعلیم سے متعلق رویوں کے اعتبار سے فرق کم کریں۔

جعفر جہانگیر
28 سال

نوجوان نہ صرف ایک نیا نقطہ نظر سامنے لاتے ہیں بلکہ اکثر ان کے پاس مسائل کے بارے میں ایسی براہ راست اور گہری معلومات ہوتی ہیں جو بڑی عمر کے افراد کی رسائی سے باہر ہوتی ہیں۔ وہ نئے خیالات سامنے لا سکتے ہیں اور مسائل کے متبادل حل پیش کر سکتے ہیں۔اور یہی سب کی شمولیت کی جانب اہم قدم ہے کہ سوچ میں جدت لائی جائے۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان